ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3 (2024)
(July to September)

اعظم کریوی کے افسانوں میں مشرقی و مغربی تہذیبی آویزش اور ردِ استعماری رجحانات

Eastern and Western calash of civilizations and De-colonial tendencies in Azam Karivi's fictions

محمد عامر سہیل
لیکچرار، شعبہ اُردو زبان و ادب، یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
ثقلین احمد خاں (ثقلین سرفراز)
لیکچرار، شعبہ اُردو، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاولپور، بہاولپور

Muhammad Amir Sohail
Lecturer, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha, Sargodha
mamirsohail716@gmail.com
Saqlain Ahmad Khan (Saqlain Sarfraz)
Lecturer, Department of Urdu, Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur
saqlainsarfraz218@gmail.com

Abstract:
The epistemological canvas of Urdu fiction is wide. Among the early fiction writers, there is a tendency to be attracted towards patriotism, resistance attitude, revolutionary trend, oriental style of feeling and local culture. The name of Azam Karevi is important among the first fiction writers who made the subject of Western and Eastern civilizations. He felt the new cultural changes. His personal inclination is towards the local way of feeling, social values, traditions and eastern civilization. They are aware of the negative effects of western civilization on the society. They challenge the so-called development that has badly crushed localism. Their western and eastern cultural influences are prominent. They propagate oriental and indigenous civilization as opposed to colonial ideology.They seem to stand with Eastern thought and local civilization by showing the two contrasting roles of Western and Eastern thought or by showing the Western invasion.

Keywords: Azam karevi, western culture, caltural hybridity, localism, Eastern values, Reformism, colonialism, de-colonialism.

ہندوستان میں مغربی و مشرقی تہذیب کا اختلاط تہذیبی ہم آہنگی کے فطری اور خود رو اصول کے طور پر کم جبکہ غلبہ پسند نو آبادیاتی فکر کے تحت زیادہ ہوا ہے۔ ہندوستان میں مغربی تہذیب اور ہند مسلم تہذیب کی آویزش نے دو طبقات کو جنم دیا۔ قدامت پسند طبقہ جو مشرقی طرزِ احساس، مقامیت پسند فکر اور ہند مسلم تہذیب کا حامل ہے جبکہ جدت پسند طبقہ مغربی تہذیب کا نقال، دلدادہ اور متوالا ہے۔ اردو فکشن میں ان دونوں طبقات کی باہم آویزش کو بطور خاص موضوع بنا کر مصنفین نے اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ اردو افسانے کی روایت میں اعظم کریوی وہ افسانہ نگار ہیں جنھوں نے اپنے افسانوں میں مغربی و مشرقی تہذیبی آویزش کو موضوع بنا کر

مشرقیت پسند فکر کو فروغ دیا ہے۔ اعظم کریوی کے افسانوں میں نئی تہذیب روشنی سے انحراف اور مقامیت سے جڑت کا احساس گہر ہے۔ وہ مغربی انداز و اطوار، رسم و رواج، تقلید کے کھوکھلے پن کر ظاہر کر کے ہندوستانی روایتی اقدار اور مشرقی تہذیبی منشا کے مطابق آگے بڑھنے کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ مغربی تصور آزادی نسواں کے خلاف ہیں۔ مقامیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ مشرقی و مغربی تہذیبی تصادم کو افسانوں کے ذریعے ظاہر کرتے ہیں۔ مغرب زدہ کرداروں کا سامنا المیہ سے کرواتے ہیں۔ ہندوستانی طرزِ احساس کے متحملین کی حمایت میں لکھتے ہیں۔ مغربی و مشرقی تصورات میں فرق کو جانتے ہیں۔

افسانہ 'کنول' میں ہندوستانی روایتی اقدار سے بغاوت کرنے والے پریمی جوڑے کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ 'کنول' کے باپ تحصیل دار پرانے خیالات کے برہمن تھے۔ نئی روشنی والوں کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ یہاں تک کہ تعلیم نسواں کے بھی خلاف تھے۔ کنول کے ماموں روشن خیال ڈاکٹر، جنھوں نے کنول کے تعلیمی سلسلے میں معاونت کی۔ کنول کو بچپن میں دوستی پریم سے ہوتی ہے۔ مگر وہ کسی صورت اپنے ماں باپ اور خاندان کو محبت کی شادی کر کے بدنام نہیں کرنا چاہتی۔ بالآخر کنول خاندان، سماج اور روایتی اقدار سے تنگ آکر پریم کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ پریم عورت کی مرضی کی شادی کے حق میں ہے۔ تعلیم نسواں کا قائل ہے۔ وہ ہندوستانی سماج میں عورت پر ہونے والے ظلم کا ذمہ دار سماج کو قرار دیتا ہے۔ وہ عورت کی مرضی، منشا اور رضا سے شادی اور اپنی زندگی گزارنے، اس کا فیصلہ کرنے میں کھلی اجازت دینے کو مانتا ہے۔ اس کے خیالات یہ ہیں:

> میں یورپ کی کورانہ تقلید کے مخالف ہوں میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ شادی کے معاملہ میں لڑکی کی مرضی بھی معلوم کرنی چاہیے۔ آپ کو برہمن خاندان میں ہونے کا فخر ہے۔ شاستر پڑھا ہی ہو گا۔ کیا پراچین بھارت میں سوئمبر کی رسم جاری نہ تھی پھر آج ایک لڑکی نے اخلاقی جرات سے کام لیا تو آپ کیوں بگڑ رہے ہیں۔ اگر آپ ایسے گڑ برہمن لڑکی کی مرضی معلوم کرنا مناسب نہیں سمجھتے تو پرماتما کے لیے بے جوڑ کی شادیوں کے خلاف آواز بلند کیجیے۔ (۱)

عورت کی مرضی کے مطابق اس کی شادی کرنے کا انتہائی رویہ نو آبادیاتی عہد میں عروج کو پہنچا۔ اس خیال کو قدامت پسند طبقہ جو ہندوستانی روایت کا حامل تھا، اس نے 'یورپ' سے برآمد قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا تعلق بنیادی انسانی اخلاقیات اور ہندو مسلم مذہب دونوں سے ہے۔ جب پنڈت، پریم کے عورت کے حقوق کے حق میں خیالات سنتا ہے تو وہ اسے مغرب زدگی سمجھ بیٹھتا ہے۔ حالاں کہ یہ مغرب کی آزادی خیال نہیں بلکہ اسے ہندو مسلم مذہب کی تائید حاصل ہے۔ البتہ ایسی آزاد خیالی جس کے سیاق میں مغربی رجحان ہو وہ یقناً قابل اعتراض ہے۔ افسانہ 'فریبی' میں آزادی خیال چمن کی زندگی کا المیہ بیان ہوا ہے۔ چمن کے باپ کا شمار شہر کے روسا میں ہوتا تھا۔ وہ بڑے روشن خیال اور سماج سدھارک فکر کے حامل تھے۔ وہ عورتوں کو آزادی دینے کے زبردست حامی تھے بقول چمن:

> ان کا قول تھا کہ ایشور نے عورت مرد کو برابر بنایا ہے۔ پھر مردوں کو کیا حق ہے کہ وہ عورتوں پر بے جا دباؤ ڈالیں، یا ظلم و ستم کریں۔ یہ صرف ان کا خیال ہی نہ تھا بلکہ وہ عملی طور پر بھی نسوانی تحریکوں میں حصہ لیتے تھے۔ چناں چہ یہ انہی کی مہربانی تھی کہ مجھے بغیر مانگے سوراج مل گیا تھا۔ (۲)

باپ کی وفات کے بعد چمن گھر میں اکیلے رہنے لگی۔ اس کی آشنائی رتن نامی لڑکے سے ہوئی اور وہ اس سے کھلے عام سیر و تفریح اور باغوں میں آنے جانے لگی۔ روز نیا پروگرام بنتا کبھی انارکلی، کبھی قلعہ کی سیر کبھی ستلج کے کنارے اور سنیما جانے؛ باغ، سیر گاہوں اور خلوت میں ہونے والی باتوں اور ملاقاتوں نے چمنکو رتن سے بہت قریب کر دیا۔ یہ صورت حال ہندوستانی طرزِ معاشرت اور ادب آداب کے خلاف (مغربی اثرات کے تحت) تھی۔ پڑوسن بڑھیا نے ایک دن چمن سے کہا:

> ایک کنواری لڑکی کا جوان مرد کے ساتھ دن رات ایک ساتھ رہنا ہنسنا بولنا کیا کوئی اچھی بات ہے۔ دُنیا کی زبان کوئی بند نہیں کر سکتا۔ انگریزوں میں یہ باتیں بری نہ سمجھی جاتی ہیں لیکن ہم ہندوستانیوں میں اتنی دوستی کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ (۳)

اعظم کریوی نے نئی روشنی کی آزاد خیالی اور روشن خیالی ایسے مغرب خیالات اور رویوں کی آڑ میں دوستی کے نام پر لڑکا لڑکی کے کھلے عام ایسے گھومنے پھرنے کو اچھا خیال نہیں کیا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا مغربی معاشرتی زندگی میں معیوب نہیں مگر ہندوستان کا مقامی سماجی طرز اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ تہذیبی، اخلاقی اور مذہبی ہر دو لحاظ سے چمن اور رتن کی یہ سوخیاں، لاابالیاں اور آزادیاں مناسب نہ تھیں، یہ تعلق اس نتیجہ پر پہنچا کہ رتن 'فریبی' نکلا اور چمن کو ہمیشہ کے لیے تنہائی دے گیا۔ اعظم کریوی اس افسانے میں ضرورت سے زیادہ دی جانے والی لڑکیوں کو آزادی کی مذمت کرتے ہیں۔ وہ مغربی انداز کی آزادی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ چمن کے لیے اس کی آزادی اور پاک محبت کے نام پر ہونے والی وقتی مسرت المیہ لے کر آئی۔ یہ المیہ اس کی آزاد روی کی بدولت پیدا ہوا۔ اعظم کریوی کے ہاں اصلاحی اسلوب زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے۔ ان کا تعلق پریم چند کے ادبی مسلک کے قریب رہا ہے۔ وہ اپنی فکر کی پیش کش کی غرض سے افسانہ تخلیق کرتے ہیں۔ وہ مغربی تہذیب و ثقافت، اس کی عیش پرستی، خود نمائی، آزادی، لاابالی، شوخی اور رشتوں کے درمیان بڑھتی خود غرضی کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ ان کا جھکاؤ مشرقی تہذیب، ہندوستانیت اور مقامیت کی طرف زیادہ ہے۔ اعظم کریوی کے افسانوں میں مقامیت سے انحراف اور بغاوت کرنے والے کردار وقتی جوش و جذبہ اور شوخی میں آجاتے ہیں مگر ان کا اختتام المیہ یا راہِ راست کی طرف آنا ہوتا ہے۔ افسانہ 'فریبی' میں مغربی آزاد پرستی کی دلدادہ چمن اپنے المیہ کو پہنچتی ہے۔ اس طرح ان کا 'آزادی' کا مغربی تصور پاش پاش ہو جاتا ہے۔ کرداروں کا راہِ راست پر آنا دراصل ہندوستانی اقدار، ہندوستانی طرزِ معاشرت اور مقامیت کا اثبات ہے۔

افسانہ 'آزادی' میں چار کردار ہیں۔ لالہ رام ناتھ اور اس کی بیوی بملا، لالہ کیدار ناتھ اور اس کی بیوی کملا۔ اول الذکر مغربی تہذیب، نظریات، رسم و رواج، ظاہری بود و باش اور تصور آزادیِ نسواں کے قائل ہیں جبکہ موخر الذکر ہندوستانی مقامیت، ہندوستانی فکر، مشرقی ادب آداب، ہندوستانی تہذیب و ثقافت، مقامی سماجی اقدار اور مشرقی تصور آزادی نسواں کے حامل ہیں۔ اپنی تہذیب، اقدار، اصولوں سے ہرگز انحراف نہیں کر سکتے۔ ان دو متضاد فکری رجحانات کی تفریق کچھ یوں تھی:

> لالہ رام ناتھ اور کیدار ناتھ میں اگر کچھ اختلاف تھا تو صرف ایک بات کا۔ رام ناتھ کا خیال تھا کہ جب ہم لوگ انگریزی تہذیب و تمدن کے مقلد ہیں تو ہماری عورتوں کو بھی یورپین لیڈیوں کی طرح آزاد رکھنا چاہیے لیکن لالہ کیدار ناتھ کہتے تھے کہ ہندوستانی و یورپین رسم و رواج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ ہندوستانی عورتوں کو آزادی ضرور دینی چاہیے لیکن یورپین لیڈیوں کی پیروی سے کچھ بھی نہ ہو گا۔ (۴)

دونوں عورتوں کی آزادی کے قائل ہیں۔ مگر ان دونوں کے ہاں 'آزادی نسواں' کا تصور متضاد ہے، رام ناتھ کا تصور آزادی نسواں خالصتاً مغربی طرز کا حامل تقلیدی ہے۔ جس کے مطابق ہندوستانی عورتیں لباس کے انتخاب، شادی کرنے م، مردوں سے تعلقات قائم کرنے، زبان بولنے اور فکری حوالوں سے مغربی ہونی چاہییں۔ جیسے مغربی عورتیں آزاد ہیں اسی طرح ہندوستانی عورتیں آزاد کی جائیں۔ بھڑکیلا لباس زیب تن کرنے اور اپنے دوست ساتھ سیر گاہ، تفریحی جگہ، سپورٹس کلب، رقص گاہ یا تھیٹر جانے میں آزاد ہوں۔ جبکہ لال کیدار ناتھ کا تصور آزادی نسواں مشرقی اساس رکھتا ہے۔ اس کے مطابق ہندوستانی عورتوں کو مقامی کلچر، ہندوستانی روایت، اقدار، سماجی پسندیدگی کے مطابق ہونا چاہیے کہ جیسا دیس ویسا بھیس۔ یورپی طرز پر ہندوستانی عورتوں کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ان میں نظریاتی کش مکش کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

مشرقی و مغربی تہذیب میں آزادی نسواں کی نوعیت کے بارے میں بملا (مغربی تہذیب کی شیدائی) اور کملا (مشرقی تہذیب کی پرستار) میں جو سوچنے سمجھنے کا فرق ہے، اقتباس ملاحظہ ہو:

> ایک دن بملا نے کملا سے کہا۔ ''بہن کملا ذرا سوچو تو سہی آخر تمھارے ساتھ کتنا ظلم ہوتا ہے۔ نہ تو تم باہر گھومنے پاتی ہو نہ باغوں کی سیر کا لطف اٹھا سکتی ہو، مجھے دیکھو کہ میں کتنا آرام سے رہتی ہوں۔ تمھاری طرح گھر کی چار دیواری کے اندر نہیں بند رہتی۔''
>
> کملا نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''تمھارا خیال غلط ہے۔ مجھے ہر قسم کی آزادی حاصل ہے۔ مجھے کوئی روک ٹوک نہیں ہے لیکن میں کود تھیٹر میں جانا، باغوں میں جہاں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں سیر کرنا پسند نہیں کرتی ہوں۔ مجھے تو مردوں کے بیچ میں کھلے منہ پھرنا بہت برا معلوم ہوتا ہے اور شرم آتی ہے۔
>
> بملا شرم کی کونسی بات ہے؟ یورپین لیڈیوں کو دیکھو وہ کس طرح مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں ان کو شرم نہیں معلوم ہوتی۔
>
> کملا ان کی اور بات ہے وہ جس ملک کی رہنے والی ہیں ہواں مردوں کے ساتھ سیر کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔(۵)

بملا کے ہاں چار دیواری تک محدود رہنا، اپنے شوہر کے مشورہ اور رائے کے ساتھ معاملات کو دیکھنا، شوہر کی خدمت گزاری اور اطاعت، صالح بیوی بن کر فرمانبرداری کرنا اور صرف اپنے خاوند تک ہی محدود رہنا 'غلامی' ہے۔ دوسری جانب کملا اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہے، گھریلو ذمہ داریاں نبھاتی ہے، شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں رکھتی، مذہبی اور اخلاقی کتب کا مطالعہ کرتی ہے، غرض کملا کا شوہر اپنی بیوی سے خوش، اس کی انتظامی صلاحیتوں سے مطمئن، فرمانبرداری اور سلیقہ شعاری سے پر اعتماد ہے۔ ان میاں بیوی کی زندگی آرام و سکون، محبت و پیار، عزت و احترام، اطمینان اور اعتماد کے ساتھ خوشگوار گزر رہی ہے۔

بملا آزادی کے چکر میں اپنے دوست کے ساتھ تھیٹر چلی جاتی ہے، وہ بھی خاوند کو ناشتہ دیئے بغیر۔ دوست کی نظریں اور اس کا اظہارِ محبت بملا کے لیے ناگواری کا باعث بنتا ہے۔ گھر آکر وہ خاوند سے نانہاد آزادی کی حقیقت بیان کر کے معافی طلب کرتی ہے، ساتھ اپنے خیالات سے دستبردار ہونے کا اعلان کرتی ہے۔ اپنے شوہر کے تابع رہنے اور اس کی محبت کا دم بھرتی ہے۔ اعظم کریوی نے افسانے 'آزادی' میں آزادی نسواں کے مغربی تصور کے بھیانک، گمراہ کن اور تاریک پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ اس فرق کو واضح

کرتے ہیں کہ مشرقی میں عورت کی ذمہ داریاں (شوہر کی عزت، خدمت گزاری، فرمانبرداری، پردہ) مغرب میں 'غلامی' سمجھی جاتی ہیں حالاں کہ مشرقی طرزِ معاشرت کی پابندی و پیروی خوشگوار ازدواجی زندگی کی ضمانت ہے۔ یوں وہ مشرقی روایت، ہندوستانی طرزِ معاشرت، آزادی نسواں کا ہندوستانی تصور اور اس سے ازدواجی زندگی کی خوش گواری کو اجاگر کرتے ہیں۔ مغرب نے آزادی نسواں کے نام پر عورت کو استعمال کی چیز بنادیا ہے۔ دوستی کے نام پر غیر محرم مردوں سے تعلقات کو عورت کا حق قرار دیا گیا۔ مغرب میں تو یہ سب معیوب نہیں سمجھا جاتا کیوں کہ سماجی قدر اور مشترکہ رجحان بن چکا جبکہ مشرقی میں معیوب اور قابلِ اعتراض عمل ہے۔ مغربی و مشرقی تہذیب کی اس کش مکش میں جیت مشرقی تہذیب کی ہوئی اور بملا کا 'راہ راست' پر آنا دراصل مشرقی تصور آزادی نسواں کی قبولیت کا اعلان ہے۔ اور مغربی تہذیبی طرز کا رد ہے۔ اعظم کریوی دو تہذیبوں میں پائے جانے والے انتہائی بُعد کو واضح کرتے ہیں۔ افسانہ میں موجود تہذیبی مخلوطیت کامل نہیں ہو پاتی اول یک طرفہ جو نقل و تقلید کے ضمرے میں آتی ہے۔ دوسرا دو تہذیبیں دو انتہاؤں پہ ہیں اور اسی پہ قائم رہتی ہیں۔ ان میں توازن پیدا نہیں ہوتا۔ اعظم کریوی افسانوں میں اصلاحی و اخلاقی اسلوب اپناتے ہیں اور اپنے موضوع کو خوش اسلوبی سے واضح کرتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> اعظم کریوی کے ہاں بھی ایک واضح اخلاقی اور اصلاحی مسلک پروان چڑھتا نظر آتا ہے، وہ انسان کو اعلیٰ قدروں کا مجسم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں زمین کی پاس اپنی اصلی خوشبو اور سوندھ پن کو برقرار رکھتی ہے اور اس کا نشہ سر شار کرتا ہے۔ (۶)

ان کے ہاں اخلاق و اصلاح کا معیار مقامی طرزِ پر ہے۔ جو ہندوستانی تہذیب، مشرقی طرزِ احساس کا حامل ہے۔ وہ اعلیٰ قدریں جو مشرقی تہذیب کی ہیں، انھیں اجاگر کرتے ہیں۔ مقامی سماجی اقدار کی بحالی کے لیے وہ افسانے کو اصلاحی نقطہ نظر میں ڈھالتے ہیں۔ اعظم کریوی کے ہاں گاؤں کی زندگی شہر کی زندگی سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہاں کے لوگ مل کر بیٹھے، دکھ درد میں شریک ہوتے۔ ضروریات زندگی وہیں سے پوری کرتے، محبت، خلوص، اپنائیت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سماجی اقدار کی پابندی قدرے زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن مغربی اثرات جو دیہات کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں، ان سے گاؤں میں انتشار، بدامنی، عدم اعتماد، کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کا استحصال ہوتا ہے۔ سرمایہ داریت کی مغربی لہر گاؤں کی زندگی میں بھونچال لاتی ہے۔ بجائے گاؤں کی ترقی، خوشحالی کے وہاں کا پُر فضا ماحول، تحفظ، خود مختار زندگی، امن و محبت کے جذبات ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ افسانہ 'انقلاب' میں ضلع ہوشنگ آباد کے چھوٹے گاؤں کو اعظم کریوی نے موضوع بنایا ہے۔ جہاں سرکار کی طرف سے جہاز کا کارخانہ قائم کرنے سے قبل گاؤں کے لوگ خوشحالی، ترقی کے خوش خیالات کو پھیلاتے ہیں۔ گاؤں کے کچھ لوگ کارخانہ کے باعث گاؤں کی بدلتی زندگی، آتی رونق، بڑھتی ترقی، سب کے لیے خوشحالی کا خیال کرتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ اس کے خلاف ہیں کہ کارخانہ قائم ہونے کے باعث جو تبدیلی آئے گی وہ گاؤں والوں کے ترقی و خوشحالی کے بجائے تباہ و بربادی لائے گی۔ کارخانہ قائم ہو گیا۔ نئی روشنی کچھ یوں ہوتی:

> ملازموں کو سودا سلف خریدنے کے لیے بہت دور جانا پڑتا تھا۔ سرکار نے ان کے آرام کے لیے امریا ہی میں بازار بنوا دیا اور اس سے بھی پردیسیوں اور سرمایہ داروں ہی کا فائدہ ہوا۔ گاؤں والوں کو تو ہر طرح سے نقصان ہی ہوا۔ بازار کھلنے سے بڑی رونق ہو گی۔ جس گاؤں میں کبھی خاموشی اور سکون کا عالم رہتا تھا۔ اب شراب تاڑی گانج اور چرس وغیرہ کی

دوکانیں کھلنے سے رات رات بھر راگ و رنگ کی محفلیں جمنے لگیں، دو چار وید اور حکیم بھی باہر سے آدھمکے۔۔۔ ساہوکاروں کی پکی اور بلند عمارتیں جو تیار ہوئیں تو وہاں دو چار ڈیرہ دار طوائفیں اور بیڑنیاں آ گئیں پھر تو وہ عالم ہوا کہ خدا کی پناہ، پہلے کانو کی بہو بیٹیاں بے فکری سے کھیت کھلیان میں گھوم پھر سکتی تھیں لیکن اب ان کا گھر سے نکلنا دشوار ہو گیا ایک دن چودھری گھسیٹے کی بہو مہاراجن کے ساتھ اپنے کسی پڑوسن کے یہاں جا رہی تھی اوپر سے کارخانہ کے کچھ اوباش خلاصی شراب میں ست جھومتے جھامتے چلے آ رہے تھے انھوں نے الانیا شروع کیا۔(۷)

گاؤں کی پر سکون، محفوظ، خود مختار زندگی میں شہر کی سی صورت حال کی پیدائش کسی انقلاب سے کم نہیں نہ تھی، ایسا انقلاب جسے دیکھ کر دیہاتی زندگی اور شہری زندگی میں یہ مخلوطیت حوصلہ افزا اور صحت مند ثابت نہ ہوئی۔ اس انقلاب کا ثمر سرمایہ داروں اور کاروباری لوگوں کو ہوا مگر دیہاتی لوگ اس نئی روشنی سے اندھیرے میں چلے گئے۔ دیہاتی شہری زندگی کی یہ مخلوطیت عدم توازن کا شکار ہوئی، نئی روشنی نے دیہاتی مزدوروں، کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کو تاریکی میں ڈال دیا۔ اعظم کریوی نے مغربی مادی ترقی سے آنے والی طرزِ معاشرت اور بظاہر مادی ترقی مگر تاریک تر صورت حال کو اس افسانے میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صغیر افراہم اس افسانے سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

یہ افسانہ ایک ایسے گاؤں کی صورت حال پیش کرتا ہے جس کی اصل سادگی اور حسن کو انقلابِ زمانہ نے مسخ کر دیا ہے۔ 'امریاپور' ہندو مسلم، امیر غریب میل ملاپ کا نمونہ تھا۔ جہاں آپسی رقابتوں کے باوجود پاس و لحاظ تھا، مروتیں تھیں، لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں برابر کے شریک تھے لیکن ہوائی جہاز کے کارخانے کے کھلنے سے وہاں زبردست تبدیلی آجاتی ہے۔(۸)

یہ تبدیلی جس قدر خوش کن تھی اسی قدر گاؤں کے مزدوروں، کسانوں اور نچلے طبقے کے لیے حوصلہ شکن اور نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اعظم کریوی اپنے افسانوں میں دیہاتوں کی زندگی میں نئی روشنی، مغربی تہذیبی اثرات کے باعث آنے والے تغیرات کو واضح کیا ہے۔ افسانہ 'آگے جاؤ' کا کردار شرابی میاں جب چالیس سال بعد اپنے گاؤں جاتا ہے تو وہاں اس قدر تبدیلی کا سامنا کرنا پڑا کہ اس کو جاننے والا کوئی ایک سامنے نہ آیا۔ اپنے پرانے دوست کا نام اور مکان جب وہ پوچھتا تو سب کہتے؛ 'آگے جاؤ'، 'آگے جاؤ' شہر کہیے، پرانی تہذیب کی جگہ نئی تہذیب آگئی۔ حویلیوں کی جگہ کوٹھیاں تعمیر ہوئیں، گھروں میں فرنیچر، میز، کرسیاں، تخت و رپلنگ آگئے۔ اس تبدیلی نے گاؤں والوں کی ذہنیت بھی تبدیل ہوئی۔ روشتوں کی قدر، سماجی اقدار، اور روحانیت متاثر ہوئی۔ اعظم کریوی اس تبدیلی کو محسوس کرتے ہیں۔ ان کا ذاتی جھکاؤ، مقامی طرزِ احساس، روایت، سماجی اقدار اور مشرقی تہذیب کی طرف ہے۔ جس کی بنیاد پر ان کا افسانوی انداز اصلاح اور آگاہی مہیا کرتا ہے۔ ان کا رویہ تبدیلی، تغیر، انقلاب اور نام نہاد ترقی کو محسوس کرنے والا ہے۔ وہ مشرقی تہذیبی اقدار اور ماحول کو پسند کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب اثرات سے آگاہ کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں جس طرح مشرقیت و مقامیت پسند فکر کا پرچار کیا ہے۔

اعظم کریوی نے سماجی و معاشرتی حالات و مسائل، نو آبادیاتی جاگیر داریت، نو آبادیاتی سرمایہ داریت، طبقاتی تضاد و کش مکش، نئی تہذیبی یلغار کے ہندوستانی سماج پر اثرات، انفرادی و اجتماعی معاملاتِ زندگی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے جن سماجی و دیہاتی موضوعات کو بیان کیا ہے۔ ان کی نوعیت اس لحاظ سے حقیقت نگاری کے قریب ہے کہ وہ میاں بیوی کے رشتے، عاشق اور محبوب کے رشتے، جاگیر دار اور کسان کے رشتے، سرمایہ دار اور مزدور کے رشتے کو دکھا کر اس دور کے تہذیبی، معاشی، سیاسی اور سماجی اثرات کو قاری پر منکشف کرتے ہیں۔ محبت، فطرت، حقیقت اور رومان سے ان کے افسانے مزین ہیں۔ اعظم کریوی کے افسانوں سے براہِ راست ردِ استعماری رجحان کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا جیسے پریم چند اور منٹو کے ہاں، دراصل اعظم کریوی دھیمے لہجے میں خاموش رہتے ہوئے استعماری تہذیب کے اثرات کو ظاہر کر کے اس کو ردِ کرتے ہیں۔ ان کا رویہ جارحانہ کم صورت حال کی پیش کش کرنے کا زیادہ ہے۔ انقلاب، شرابی، پنچایت اور آزادی میں ان کا خاموش اور دھیما رد استعماری رویہ پایا جاتا ہے۔

افسانہ 'انقلاب' میں گاؤں کے لوگ آپس میں محوِ گفتگو ہیں کہ گاؤں میں سرکار ہوائی جہاز کا کارخانہ قائم کر رہی ہے۔ کچھ لوگ اس کے حق میں اور کچھ مخالفت میں ہیں۔ اول الذکر لوگوں کا خیال ہے کہ کارخانہ لگنے سے گاؤں میں خرید و فروخت بڑھے گی۔ کاروبار کا مواقع فراہم ہوں گے اور دنوں میں گاؤں کے لوگ سیٹھ بن جائیں گے جبکہ موخر الذکر لوگوں کا خیال ہے کہ گاؤں کی زمیں جو وہاں کے زمینداروں کی ملکیت ہے اسے سرکار قبضہ میں لے گی جو اچھا نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ سرکار اس جگہ کی قیمت ادا کرے گی۔ یہ گاؤں امریا ضلع ہوشنگ آباد میں واقع ہے۔ جہاں چودھری گھسیٹے، مہاراج گنیشی، بکریدی میاں اور ہر بجنا بنیا کی زمینداری ہے۔ جو لوگ گاؤں میں ہوائی جہاز کا کارخانہ لگنے کے حق میں ہیں ان میں جو کھو سر فہرست ہے۔ اس لیے کہ اسے داروغہ جی اور تحصیل دار نے ہوائی جہاز کا کارخانہ قائم کرنے کے بعد شراب کا ٹھیکہ دینے کا لالچ دیا۔ وہ اس لالچ میں آکر گاؤں والوں کو ورغلاتا ہے:

> بھائیو! بڑی خوشی کی بات ہے کہ سرکار ہمارے گاؤں میں ہوائی جہاز کا کارخانہ بنانے والی ہے کارخانہ بن جانے سے ہم غریب کا بھی بڑا فائدہ ہو گا۔ جن لوگوں کو دو آنہ مزدوری بھی مشکل سے ملتی ہے اب ان کو روپیہ روز مل سکیں گے۔ دھوبی، کمہار، حلال خور، چمار، بنیا، اہیر سب ہی کا فائدہ ہو گا۔۔۔ چودھری بکریدی میاں اور ہر بجنا کی زمین پر تو کارخانہ بنے گا معاوضہ میں سرکار روپیہ دے گی ایک بات اور ہے ابھی تو گاؤں میں دو چار سو آدمی ہوں گے کارخانہ بن جانے سے ہزار بارہ سو آدمی ہو جائیں گے۔ چندہ سے ایک چھوٹا سا مندر بن جائے گا اور بس آپ وہاں پر بیٹھے ہوئے سب نرائن کی کتھا کہئے گا بڑی آمدن ہو گی۔ (۹)

مہاراج اور چودھری گھسیٹا جو کھو کی باتوں کے قائل ہو گئے۔ مگر اب مسئلہ یہ تھا کہ بکریدی میاں کو کیسے اعتماد میں لیا جائے چوں کہ بکریدی میاں کسی صورت اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ اس کی سرزمین پر سرکار کارخانہ لگائے۔ سب گاؤں والے جب بکریدی میاں کے پاس گئے تو ان کی رائے یہ تھی:

> میر خیال میں تو کارخانہ بن جانے سے ہمارا گاؤں تباہ ہو جائے گا۔۔۔ تم سب لوگ دیکھ لوگے کہ آہستہ آہستہ آس پاس کی اچھی زمین پر بھی سرکار قبضہ کر لے گی۔ جہاں آج لہلاتے کھیت ہیں وہیں کل چٹیل میدان ہو گا یہی نہیں بلکہ وہ زمانہ بھی آجائے گا جب ہم

اپنے مکانوں سے نکال دیئے جائیں گے ہمارے کچے مکانوں کو گرا کر پکی عمارتیں بنائی جائیں گی لیکن اس پر دوسرے لوگ قابض ہوں گے۔ ابھی کہتے ہیں کہ صرف کارخانہ بنے گا لیکن یہ تمھاری بھول ہے کارخانہ بنے گا تو اس کے ملازموں کے لیے بھی بارکیں بنائی جائیں گی۔ اور ان کے لیے بھی زمین درکار ہوگی۔ افسروں کے لیے بنگلے بنیں گے اور ہماری زمین پر قبضہ کیا جائے گا۔ ہماری بہوری، بیٹیاں جو آج بڑی آزادی سے کھلے منھ باہر آتی جاتی رہتی ہیں اوران کی طرف کوئی بری نظر سے دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ پردیسی ان کا مذاق اڑائیں گے گھر سے باہر نکلنا دشوار ہو جائے گا۔(۱۰)

بکریدی میاں نے واضح کیا کہ وہ کسی صورت اپنی خوشی سے سرکار کو اپنی زمین نہیں دے گا۔ چودھری گھسیٹے نے بھی گاؤں میں کارخانہ لگنے کے حق میں دلائل دیئے، خرید و فروخت میں آسانی، ڈاکخانہ کا قیام اور مدرسہ کھلنے ایسے ترقیاتی کام چودھری گھسیٹے نے گنوائے۔ مگر بکریدی میاں بضد رہے کہ کارخانہ لگنے کے بعد اب والی خوشحالی نہ رہے گی۔ کیا ہوا پٹواری اور تحصیل دار نے بکریدی میاں کے لڑکے شبراتی کو بولایا چوں کہ بکریدی اپنی جائیداد / زمین اپنے بیٹے کے نام کر چکا تھا تو اب وہ اس کا ملک تھا، تحصیل دار نے شبراتی سے بیان لیے اور کارخانہ گاؤں میں نصب ہو گیا۔

وہی ہوا جو بکریدی میاں کا خیال تھا۔ گاؤں پر سرمایہ داری نظام مسلط ہو گیا۔ افسروں نے بارکیں بنوائیں، خالی زمینوں کو ساہوکاروں نے خرید کر کے عالی شان مکانات تعمیر کیے، سرمایہ داروں نے گاؤں والوں کو قرض دیا جو مسلسل سود کے بوجھ تلے دبتے گئے بالآخر اپنی زمینیں اور جائیدادوں سے ہاتھ دھونا پڑا، گاؤن میں بازار قائم ہوا، شراب اور چرس کی دکانیں کھلیں، رقص گاہیں اور راگ رنگ کی محفلیں جمیں، ک حکیم آئے، طوائفوں کی آمد ہوئی۔ اس طرح گاؤں والے نوکر، مزدور اور دوٹکے کے ملازم بن گئے۔ ان کی زمینیں، جائیدادیں سب نیلام اور سرمایہ داروں نے سود کی مد میں قبضہ میں لے لیں۔ ایک دن آیا سب گاؤں والے بکریدی میاں کی باتیں یاد کرتے اور خون کے آنسو روتے۔ اس افسانے میں دیہات میں آنے والے انقلاب کا ذکر کیا گیا ہے جو انقلاب دیہاتیوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ نو آبادیاتی استعماری حکومت کس طرح دیہاتی علاقوں کو اپنے قبضے میں لے کر وہاں گاؤں کی زندگی، وہاں کے لوگوں کی معاشرت، پر سکون زندگی، بے فکری کی حالت، خود مختاری کو تباہ کر دیتی ہے۔ نو آبادیاتی سرمایہ داری نے کس طرح اپنے پنجے گاڑھے۔ سود پر قرضے دیئے اور بدلے میں زمینیں قبضہ میں لے لیں۔ اعظم کریوی اس افسانے میں نام نہاد انقلاب کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جس نے گاؤں کو شہر میں بدل کر سرمایہ داری کو فروغ دیا، ایسی سرمایہ داری جو کاشت کاروں، زمینداروں اور گاؤں کے لوگوں کا دیوالیہ نکال دیتی ہے۔

ہندوستان میں نو آبادیاتی سرمایہ داروں نے سرمایہ کے بل بوتے پر حکومتی معاونت کے ساتھ مزدوروں، ملازموں اور ورکروں کا استحصال کیا۔ نو آبادیاتی حکومت نے اپنی سرمایہ دارانہ پالیسیوں اور معاشی تقاضوں کے باعث گاؤں میں کارخانہ قائم کیا۔ گاؤں کے لوگوں کا خیال تھا کہ کارخانہ قائم ہونے سے پہلے کی نسبت خوشحالی ہو گئی، آمدن بڑھے گی، بے روزگاری ختم ہو گی، خوشحالی آئے گی۔ مگر ہوا اس سے الٹ۔ انھیں اپنی زمینوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ سرمایہ دار کا مذہب پیسہ ہے۔ گاؤں میں آنے والا یہ صنعتی انقلاب گاؤں کی زندگی، طرزِ معاشرت، کھلی فضا اور بود و باش کے لیے خطرناک ثابت ہوا۔ افسانہ 'انقلاب' کے آخر میں گاؤں والوں کا پچھتانا اور آنسو بہانا دراصل استعماری حکومت اور مادی ترقیاتی منصوبوں کی وجہ سے پر سکون زندگی کے خاتمے پر احتجاج ہے۔

افسانے میں براہِ راست مزاحمتی و بغاوتی رنگ نہیں بلکہ اعظم کریوی صورت حال پیش کر کے خاموش احتجاج ضرور کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح سے گاؤں کے لوگوں کو احتجاج و مزاحمت پر اکسانا بھی ہے۔ جو کھوا ایسے لالچی اور گھسیٹے ایسے ناسمجھ لوگوں کے سبب نو آبادیاتی ترقی جواز پا کر استحصالی کردار نبھاتی رہی۔ بکریدی میاں ایسے کرداد مستقبل کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ان کی بصیرت اور تنقیدی نگاہ بدلتے حالات کو بھانپ جاتی ہے۔ افسانہ 'انقلاب میں معاشی ترقی، خوشحالی، دیہاتی مفاد اور کاروباری مرکز بننے کے نام پر دیہاتی لوگوں کا استحصال کیا گیا ہے۔ اعظم کریوی اس افسانے میں نام نہاد ترقی و خوشحالی کی اصل حقیقت سامنے لاتے ہیں۔

افسانہ 'شرابی' کا کردار گاؤں کی خوشحال زندگی چھوڑ کر شہر مزید ترقی کی غرج سے چلا جاتا ہے۔ بھروس شہری زندگی کی چکا چوند دیکھ کر وہاں بیوی، بچوں سمیت چلا جاتا ہے کہ مزید حالات بہتر ہو جائیں۔ گاؤں کی پر سکون اور کھلی فضا میں رہنے والا یہ کنبہ شہر کی تاریک گلی میں رہنے پہ مجبور ہوتا ہے۔ بھروس کو دس روپے ماہانہ تنخواہ پر نوکری مل جاتی ہے۔ وہ اپنی بیٹی سندریا کو پنڈت گیان چند کے ہاں دو روپے ماہوار بھیج دیتا ہے۔ پنڈت زیادتی کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سندریا اس کے گھر کام کرنے سے باپ کو انکار کر دیتی ہے۔ شہر میں لڑکے سندریا کو چھیڑتے ہیں، وہ انھیں روکنے کی جرات نہیں رکھتا۔ غربت، مجبوری، بے کسی اور ناداری کی حالت میں بھروس پریشانی کے خاتمے کے لیے شراب خانے چلا جاتا ہے وہاں آئے روز جانے سے لوگ اسے شرابی شرابی کہتے ہیں۔ فکر معاش اور غیرت جاتی رہتی ہے۔

افسانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیہات سے شہر کی طرف آنے والے بھروس نے اپنی پریشانی کم کرنے کے لیے پارس سے نجات پانے کے لیے شراب خانے کا رخ کرتا ہے اور بے حس ہو جاتا ہے۔ غور کریں تو زیر متن ہمیں اس کے محرکات اور اسباب کو تلاشنا ہو گا۔ بھروس دیہات میں اچھے دن گزار رہا تھا۔ معقول آمدن تھی۔ عزت محفوظ تھی۔ کھلی فضا میں رہ رہا تھا۔ شہر میں آنے کے بعد اخراجات بڑھ گئے، آمدن اس حساب سے کم تھی، عزت غیر محفوظ ہونے لگی۔ تاریک گلی میں رہنا پڑا۔ افسانہ نگار بھروس کا دیہات سے شہر جانے کو لالچ قرار دیتا ہے مگر اس میں قباحت نہیں لوگ بہتر معیار زندگی کے لیے دیہاتوں سے شہر آتے ہیں۔ شہر میں آنا اپنے تئیں برا نہیں۔ اصل مسئلہ تو شہر کا سرمایہ دارانہ ماحول، تنگ و تاریخ طرز رہائش، نادار لوگوں کی عزت کو بری نگاہ سے دیکھنا اور ہر ممکن ان کا استحصال کرنا قابلِ مذمت ہے۔ شہر کے اس ماحول نے بھروس کو شرابی بنایا۔ اپنے شیئنے میں فکر معاش اور بیٹی کی عزت کے عدم تحفظ کا احساس لیے:

> کانپتے ہوئے قدموں کے ساتھ بھروس شراب خانہ میں گھسا، اس کی جیب میں صرف چار آنے تھے، اس نے ایک کوزہ شراب کا مول لیا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔۔۔ دوسرا لیا اور دُنیا کا رنگ بدل گیا۔ اس میں نہ جانے کہاں سے طاقت آ گئی۔ وہ کیف شباب کی لہروں میں ہچکولے کھانے لگا۔ اس کی تمام فکریں نہ جانے کہاں چلی گئیں، اب نہ تو اسے بیمار بچوں کی فکر تھی اور نہ بھوکے بچوں کی پروا۔۔۔ وہ گویا سندریا کو بالکل بھول گیا۔۔۔ سندریا کی بے عزتی کا اُسے کچھ خیال ہی نہ رہا۔ (۱۱)

بھروس شہری زندگی، وہاں کے مسائل، احساسِ غربت، تنگ دستی، عدم تحفظ اور وہاں کے حالات کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ جس کی بڑی وجہ اس کی غربت ہے۔ سرمایہ داریت اور صاحبِ ثروت کے خلاف وہ مزاحمت و بغاوت نہیں کر سکا۔ اس کی اتنی حیثیت نہیں کہ محلے کے اوباش لڑکوں کو روک سکے۔ اس طرزِ زندگی سے گھبرا کر وہ شرابی بن جاتا ہے۔ اعظم کریوی کے کردار براہِ راست مزاحمت

کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ دیہاتی ہیں اور دیہات میں خوشحال ہیں۔ شہری زندگی کے دیہات اور دیہاتی باشندوں پر اثرات دکھاتے ہیں۔ یہ سرمایہ داریت اور شہری معاشرت کے خلاف خاموش احتجاج ہے۔ وہ خوش حال دیہاتی زندگی اور خوشحالی دیہاتی کو برباد کر دینے کی طاقت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید اعظم کریوی کے افسانوں سے متعلق رائے دیتے ہیں:

> اعظم کریوی کے ہاں دیہات ایک خود کفیل کائنات ہے۔ بلاشبہ یہ دیہات غربت اور افلاس کی آماجگاہ ہے لیکن یہ اپنی تن پروری کے لیے شہر کا رخ نہیں کرتا۔ اور اندرون دیہات ہی اپنی قسمت آزمائی کرتا ہے۔ اس زاویے سے دیکھئے تو اعظم کریوی نے دیہات کی دروں بینی کا زاویہ پیش کیا ہے۔(۱۲)

اعظم کریوی کے افسانوی مجموعہ 'کنول اور دوسرے افسانے' میں 'پنچایت' اور 'آزادی' دو قابلِ ذکر افسانے ہیں۔ اول الذکر افسانے میں نو آبادیاتی سرمایہ داریت و استعماریت کے عدالتی نظام کو رد کر کے ہندوستانی پنچایتی نظامِ انصاف کو پیش کیا گیا ہے۔ موخر الذکر افسانے میں نو آبادیاتی تہذیب کے ہندوستانی طرزِ معاشرت پر اثرات کی منفیت کو ظاہر کر کے عورت کی آزادی کی حقیقی معنی اور مغربی طرز کی آزادی کی نقصان کو اجاگر کیا گیا ہے۔ 'پنچایت' میں گاؤں کی زندگی، فطری ماحول اور وہاں کی سماجی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے۔ مہاراج رام لال کی بیوی مہاراجن خاوند کی وفات کے بعد اپنے ہمسائیوں لالہ جی اور للائن کے سہارے گھر بار چھوڑ کر کچھ امانت لالا جی کو سونپت کر پتر تھ یاترا چلی جاتی ہے۔ لالا جی گاؤں کے ساہوکار ہیں۔ سرکار کے نئے نئے قانون سے تنگ ہیں۔ سود پر لوگوں کو روپے دیتے ہیں اور ان سے بیاج وصول کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

> سرکار تو نئے نئے قانون سے ہم ساہوکاروں کی ناک میں دم کئے ہے۔ ساہوکارہ ایکٹ انتقال اراضی ایکٹ اور نہ جانے کون کون سے ایکٹ پیکٹ جب دیکھ ہمارے خلاف ایک نیا قانون۔۔۔ اگر ہمارا قرض ادا نہ ہو اور ہم اصل اور سود در سود کی ناش کرتے ہیں تو کیا بے جا کرتے ہیں۔۔۔ میرا سود ڈوبا جا رہا ہے۔ نئے قانون سے تو جان مشکل میں پھنسی ہے۔۔۔ امانت رکھنے کا بھی بیاج لیا جاتا ہے۔ ہم مفت میں اپنے پاس امانت جمع کرنے لگیں تو بس ہم کما بیٹھے۔۔۔(۱۳)

ایک دن مہاراجن تیر تھ یاترا سے واپس گاؤں آجاتی ہے، امانت کی طلبی پر لالا جی بے ایمان ہو جاتے ہیں۔ کچھ لین دین میں جمع خرچ برابر کر دیتے ہیں۔ گویا اب لالا جی کے پاس مہاراجن کی امانت نہیں ہے۔ مہاراجن پنچایت بولاتی، للائن کو بطور خاص بُلا کر پتی دیو، دھرم کا پالن اور بھگوان کی قسم دی اور سچ بولنے کا کہا۔ للائن ابھی بولی ہی نہ تھی کہ لالا جی نے کہا جو کچھ مہاراجن نے کہا وہ سچ ہے اور میں معافی کا طلب گار ہوں۔ پنچایت نے فیصلہ کیا کہ لالا جی آئندہ ایک سال ہونے والی پنچایتوں کا خرچ اٹھائیں گے اور پنچایتی فرش بنوائیں گے۔ جسے لالا جی قبول کر لیتے ہیں۔ مہاراجن سے معافی مانگی اور اس کے بعد:

> نیک دل مہاراجن نے بڑی خوشی سے معاف کر دیا۔ للائن مہاراجن کے گلے سے لپٹ کر آنسو بہانے لگیں۔ 'مہاراجن کی جے ہو! 'پنچایت زندہ آباد!' کے نعروں سے تمام گاؤں گونج اٹھا۔(۱۴)

افسانے کی زیریں سطح نو آبادیاتی سرمایہ داریت و مادیت کے دیہاتی معاشرے پر اثرات ظاہر کرتی ہے۔ قانونی طور پر ساہوکاروں پر ٹیکس کی یہ حالت تھی کہ وہ مادیت پسند ہو کر بے ایمان اور ناجائز رویے پر اتر آتے۔ استعماری حکومت جو استحصال قانون کے ذریعے ان ساہوکاروں کا کرتی، یہ اسی طرح بے چارے، مجبور، بے کس اور سادہ لوح دیہاتیوں کا حق مارتے اور ان کا پیسہ، جمع پونجی، امانت ہتھیا لیتے۔ سودی نظام کے ذریعے ساہوکاروں کا جواز مل جاتا، وہ اپنی مرضی و منشا سے کسانوں کو قرض دے کر ان سے بھاری بیاج وصول کرتے۔ 'پنچایت' میں اول تو مذکورہ جہت کا ذکر ہوا ہے دوم نو آبادیاتی عدالتی نظام سے انحراف کو پیش کیا گیا ہے۔ ایک سطح پر یہ بھی نو آبادیاتی نظام (عدالت) کا رد اور مقامی نظام انصاف کا اثبات ہے۔ نو آبادیاتی عدالتی نظام میں انصاف طاقت کی طرف جھک جاتا ہے۔ سیدھے سادے معاملات کو الجھا دیا جاتا ہے۔ بروقت فیصلہ صادر کرنے کے بجائے مسائل کو پیچیدہ بنائے رکھا جاتا ہے۔ اس لیے اس افسانے میں اعظم کریوی نو آبادیاتی عدالتی نظام سے انحراف دراصل اس نظام کا رد اور دیہاتی نظامِ انصاف (پنچایت) کے حق میں نعرے لگواتے ہیں، جو ردِ استعماریت کی ہی ایک صورت ہے۔

نو آبادیاتی تمدنی یلغار نے ہندوستانی تہذیبی نقوش اور فکری ائیڈیالوجی کو محض نہیں مٹایا اور بدلا بلکہ مقامیوں کے دلوں میں مغربی تہذیب کا مہذب عکس بٹھایا کہ ایک طبقہ مغربی تہذیب کا دلدادہ ہو گیا۔ اور مغرب کے ہر عمل و فکر کو قابل تقلید سمجھنے اور اپنانے لگا۔ اس طبقہ کی نگاہ میں مغربی طرزِ معاشرت کی نقل قابلِ تحسین ٹھہری۔

مغربی تہذیبی انداز و طرزِ فکر ہندوستانی مزاج، اقدار، روایت، ماحول کے خلاف ہی نہیں بلکہ متضاد ہے۔ افسانہ 'آزادی' میں اعظم کریوی نے 'عورتوں کی آزادی' کو موضوع بنایا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں آزادیٔ نسواں اور حقوقِ نسواں کی جو مغربی طرز پر تحریک چل رہی تھی، اس کے خلاف یہ افسانہ لکھا گیا ہے۔ اس میں چار کردار ہیں۔ لالہ رام ناتھ اور اس کی بیوی بجلا، لالہ کیدار ناتھ اور اس کی بیوی کملا شامل ہیں۔ اول الذکر میاں بیوی مغربی تہذیب و تمدن کے مقلد، نقال، دلدادہ اور شیدائی ہیں۔ وہ ہندوستانی عورتوں کی یورپین عورتوں کی طرح آزاد رکھنے اور دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ جبکہ موخر الذکر میاں بیوں ہندوستانی طرزِ معاشرت، اقدار، روایات، آدابِ زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ ان کے مطابق ہندوستانی عورتوں کو آزادی ضروری دینی چاہیے مگر یورپین لیڈیوں کی پیروی سے کچھ نہ ہو گا۔

بملا کا تصور آزادی نسواں مغرب کے مطابق تھا۔ وہ گھر کی چار دیواری سے باہر آزادانہ غیر محرم دوستوں سے ملنے، گھومنے اور ان کے ساتھ تھیٹر جانے میں عورت کی آزادی دیکھتی ہے۔ بملا اور اس کا خاوند مغرب کو کورانہ تقلید میں ایک جلسہ منعقد کرواتے ہیں جس میں عورتوں کی آزادی مغرب کے عین مطابق ہونے کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس جلسہ میں نوجوان مغرب پرست استانی تقریر کرتے کہتی ہے:

> پہلے جاہل لڑکیاں مثل گائے بکریاں کے ہوتی تھیں لیکن اب ان کو بھی پرماتما نے عقل دی ہے اب پڑھی لکھی عورتیں سمجھ دار ہو گئی ہیں وہ اپنا برا بھلا سمجھنے لگی ہیں پرماتما تھوڑے دن کے لیے مردوں کو عورتیں بنا دے تو ان ہماری قابل رحم حالت کا اندازہ ہو جائے انگریز آزاد ہیں، ان کی عورتیں آزاد ہیں اگر ہمارے مرد بھی چاہتے ہیں کہ ہندوستان آزاد ہو تو سب سے پہلے عورتوں کو آزاد کریں۔ (۱۵)

کملا بھی اس جلسے میں شریک ہوتی ہے مگر اس پر اس مغربی تصورِ آزادیِ نسواں کا اثر نہ ہوا۔ وہ ہندوستانی آدابِ معاشرت کی پرستار ہے، وہ پہلے سے بھی زیادہ خاوند کی خدمت کرنے لگتی ہے۔ ایک دن بجلا اپنے دوست کے ساتھ صبح شوہر کو کھانے دیئے بغیر تھیٹر چلی گئی۔ بملا سے اس کا دوست 'اظہارِ محبت' کرتا ہے۔ گھر آ کر بملا اپنے خاوند سے معافی طلب کرتی ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ ہندوستانی معاشرے میں عورت کی ایسی آزادی کسی خطرے سے خالی نہیں۔ یہ آزادی ہندوستانی مزاج کے خلاف ہے۔ کملا جو ہندوستانی مزاج کی اقدار کی حامل ہے وہ بھی آزاد ہے، اس کے ہاں آزادی کا مطلب کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور باہر آنے جانے میں آزادی ہے۔ مگر کملا یہ سب اپنے خاوند کی رضامندی، خوشنودی اور مشورے سے انجام دیتی ہے۔ وہ تو آزادی پر قید کو ترجیح دیتی ہے۔ کملا پر نوجوان استانی کے لیکچر کا اثر کیا ہوا:

> اس دن سے وہ لالا کیدار ناتھ سے غیر معمولی محبت کا اظہار کرنے لگی۔ دن رات اپنے شوہر کی خدمت میں مشغول رہتی۔ کیدار ناتھ کے بغیر اجازت وہ گھر سے قدم باہر نہ نکالتی۔ گھر سے کام کاج سے جب فرصت پاتی تو مذہبی اور اخلاقی کتابوں سے دل بہلاتی اس کا یہی روزانہ کا معمول ہو گیا تھا۔ لالہ کیدار ناتھ اپنی دھرم پتنی کی خوش انتظامی، فرمانبرداری اور سلیقہ شعاری سے بہت خوش ہوتے۔ کملا کی نازبرداری اور محبت میں ان کی زندگی بڑے آرام سے کٹنے لگی۔ کملا کے بغیر مشورہ وہ کسی کام میں ہاتھ نہ لگائے۔ (۱۶)

کملا کا یہ رویہ اور گھر کا خوشگوار ماحول مقامی اخلاق اور ازدواجی زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ وہ مغرب کی کورانہ تقلید اور مغربی تصور آزادیِ نسواں کو رد کرتے ہوئے خاوند کی اطاعت، فرمانبرداری اور اس سے محبت کا جو اظہار کرتی ہے وہ یورپی لیڈیوں کے اس انداز سے متضاد ہے جو وہ اپنے دوستوں سے ملاقات، باغات میں گھومنے، تھیٹر میں جانے، مل کر رقص کرنے کو خاوند پر ترجیح دیتی ہے۔ اعظم کریوی نے اس افسانے میں مغربی تہذیب کی دلدادہ اور مقلد کی یورپی تصور آزادی سے روشناس کروایا ہے، اس سے وہ خود راہِ راست پر آ جاتی ہے۔ افسانہ نگار نے دونوں خاندانوں میں ازدواجی زندگی کے سلیقے کو بیان کیا ہے۔ قاری ان دونوں میں پائے جانے والے بُعد کو محسوس کر سکتا ہے۔ مغربی تصورِ آزادی نسواں کے حامی خوشگوار ازدواجی تعلقات کے متحمل نہیں ٹھہرنے جبکہ ہندوستانی اقدار اور مزاج کے حامل میاں بیوی آرام و سکون سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اعظم کریوی مغرب کے آزادی نسواں کے تصور کو رد کرتے ہیں، وہ ہندوستانی معاشرت اور آدابِ ازدواج کو پسند کرتے ہیں۔ یہی افسانے کا مجموعی مزاج ہے جو ہندوستانیت کا پرچارک ہے۔ مغرب کی تقلید سے یہ انحرافی رویہ ردِ استعماریت ہے۔ اعظم کریوی نے اپنے افسانوں میں انگریزی استعمار، استعماری نظام، نوآبادیاتی حکومت اور استحصال کار کے خلاف براہِ راست مزاحمت اور بغاوت نہیں ملتی مگر نوآبادیاتی نظام کے ہندوستانی معاشرت پر اثرات، نوآبادیاتی سرمایہ داریت و نوآبادیاتی جاگیرداریت کے استحصالی رویوں کو بیان کر کے وہ ان کے خلاف ہی ایک طرح کا احتجاجی لہجہ اپناتے ہیں۔ یہی ان کے افسانوں کی ردِ استعماری جہت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اعظم کریوی، کنول، حیدر آباد، عبدالحق اکیڈمی، ۱۹۴۴ء، ص:۱۳

۲۔ اعظم کریوی، کنول، ص:۳۸

۳۔ ایضاً، ص:۴۹

۴۔ ایضاً، ص:۱۰۹۔۱۱۰

۵۔ ایضاً، ص:۱۱۰۔۱۱۱

۶۔ انور سدید، اُردو افسانے میں دیہات کی پیش کش، الہ آباد: اُردو رائٹر گلڈ، ۱۹۹۷ء،، ص:۵۲

۷۔ اعظم کریوی، انقلاب، لکھنو، کتب خانہ دانش محل امین الدولہ، ۱۹۴۴ء، ص:۲۷،۲۶

۸۔ صغیر افراہیم، اردو افسانہ ترقی پسند تحریک سے قبل، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۹ء، ص:۸۴

۹۔ اعظم کریوی، انقلاب اور دوسرے افسانے ،لکھنو، کتاب خانہ دانش محل، ۱۹۴۴ء، ص:۸۔۹

۱۰۔ ایضاً،: ص ۱۲

۱۱۔ ایضاً،: ص ۳۷

۱۲۔ انور سدید، اُردو افسانے میں دیہات کی پیش کش، الہ آباد، اُردو رائٹرس گلڈ، ۱۹۹۷ء)،: ص ۵۲

۱۳۔ اعظم کریوی، کنول اور دوسرے افسانے، حیدر آباد دکن: عبد الحق اکیڈمی، ۱۹۴۴ء، ص ۹۷ تا ۹۹

۱۴۔ اعظم کریوی، کنول اور دوسرے افسانے،: ص ۱۰۶

۱۵۔ ایضاً،: ص ۱۱۴

۱۶۔ ایضاً،: ص ۱۱۵

Reference in Roman Script:

1. Azam Krivi, Kanwal,Hyderabad: Abdul Haq Academy, 1944, p.13.
2. Azam Krivi, Kanwal, p.38.
3. Ibid, p.49.
4. Ibid, p. 109-110.
5. Ibid, p. 110-111.
6. Anwar Sadid, Urdu afsany mein diyat ki paishkash,Allahabad, Urdu Writers Guild, 1997, p.52
7. Azam Karivi, inqalab ,Lucknow: Danish Mahal Amin-ud-Daula Library, 1944,p. 26
8. Saghir Efrahim, Urdu afsana taraqqi Pasand tahreek sy qabal ,Aligarh: Educational Book House, 2009, p.84.
9. Azam Karvi, Inqalab or dosry afsany,Lucknow: Kitabkhana Danish Mahal, 1944,p. 8-9.
10. Ibid, p.12.
11. Ibid, p.37.
12. Anwar Sadid, Urdu afsany mein diyat ki paishkash, Allahabad, Urdu Writers Guild, 1997), p.52.
13. Azam Krivi, Kanwal or dosry afsany (Hyderabad Deccan: Abdul Haq Academy, 1944, p. 97-99.
14. Azam Krivi, Kanwal or dosry afsany, p. 106.
15. Ibid, p. 114
16. Ibid, p. 115